کیا ''حی علیٰ خیر العمل''،اذان کا جزء ہے؟

عبد الامیر سلطانی

مترجم: علی قمر

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست مطالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے

لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر صر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستاران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں،یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا،وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے۔

ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس راہ

میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علاّم آقای شیخ عبد الامیر سلطانی کی گرانقدر کتاب تفسیر کو فاضل جلیل مولانا علی قمر نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

انتساب

''کلمۂ حق کی سربلندی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے ابو طالبؑ کے فرزند مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے نام۔عرصہ دراز سے مسلمانوں میں یہ اختلاف چلا آرہا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''حی علی خیر العمل'' اذان کا جز ہے یا نہیں۔اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ ''حی علی خیر العمل''کا اذان میں ذکرکرنا صحیح نہیں ہے۔ جب کہ ان میں سے بعض اس کو صرف مکروہ جانتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ فقرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے (لہٰذا یہ اضافہ ہوا) اور اذان میں اضافہ مکروہ ہے[1]۔ اہل بیت علیہم السلام اور شیعیان اہل بیتؑ کی نظر میں یہ جملہ اذان واقامت کا جز ہے اور اس کے بغیر اذان واقامت درست نہیں۔

اور یہ حکم (شیعوں کے مطابق) اجماعی ہے،[2] اور کوئی بھی اس کا مخالف نظر نہیں آتا..... اپنے اس دعویٰ پر یہ لوگ اجماع سے استدلال کرتے ہیں اور بہت سی روایات کو بھی اپنے مدعاکی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، مثلاً علی، محمد بن حنفیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے،ابی الربیع،زرارہ، فضیل بن یسار، محمد بن مہران نے امام محمد باقر علیہ السلام سے،آٹھویں امامؑ کی روایت فقہ الرضا،ابن سنان، معلی بن خنیس ابی الحضرمی، وکلیب الاسدی نے چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابوبصیر نے پانچویں یا چھٹے امامؑسے ، محمد بن ابی عمیر نے ابوالحسن اور عکرمہ نے ابن عباس سے اس سلسلہ میں روایتیں نقل کیں ہیں[3]۔اس اختلاف کے پیش

---

[1] سنن بیہقی: ۱، ۶۲۵، البحر الرائق: ۱،۲۷۵، عن شرح المہذب
[2] الانتصار ''سید مرتضیؒ '' : ۱۳۷
[3] وسائل الشیعہ، جامع احادیث شیعہ، بحارالانوار و مستدرک الوسائل :باب اذان

نظر ہمارے پاس اہل بیت علیہم السلام کے نظریہ کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں ہماری دلیل صرف اجماع ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مبنیٰ اہل بیت علیہم السلام، جو حدیث ثقلین اور آیۂ تطہیر کے مصداق ہیں،سے مروی روایتیں ہیں۔اور اس کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں ہیں جو اہل سنت کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

لیکن اس موضوع کی تفصیلات میں غور کرنے اور اس کے سلسلہ میں دلائل و شواہد پیش کرنے سے پہلے فریقین کے نزدیک اذان کی شرعی حیثیت کے بارے میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بحث، ''حی علی خیر العمل'' کے جزء اذان ہونے یا نہ ہونے کے مسئلہ سے بہت مربوط ہے جو ہمارا اصل موضوع ہے۔

اور اسی کے ضمن میں اس موضوع سے متعلق دوسرے بہت سے حقائق بھی روشن ہو جائیں گے۔

ترویج اذان

اہل سنت کی نظر میں

ا۔ ابو داؤد روای ہیں کہ مجھ سے عباد بن موسیٰ ختلی اور زیاد بن ایوب نے روایت کی ہے (جب کہ ان دونوں میں سے عباد کی روایت زیادہ مکمل ہے) یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے ہشیم نے ابو بشیر سے روایت نقل کی ہے کہ زیاد روای ہیں کہ ہم سے ابو عمیر بن انس نے اور ان سے انصار کے ایک گروہ نے روایت کی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر ہوئی کہ نماز کے وقت لوگوں کو کیسے جمع کیا جائے۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ نماز کے وقت ایک پرچم بلند کر دیا جائے۔ جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کے لئے متوجہ کر دیں گے۔ آپؐ کو یہ مشورہ پسند نہیں آیا۔

بعض صحابہ نے کہا کہ سنکھ بجایا جائے۔ آپ کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی، اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کا طریقۂ کار ہے۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا: گھنٹیاں بجائی جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ نصاریٰ کی روش ہے۔اس کے بعد عبد اللہ بن زید (بن عبد اللہ) اپنے گھر چلے گئے در حالیکہ ان کو وہی فکر لاحق تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھی۔ پس ان کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی ؟۔ راوی کہتا ہے کہ وہ اگلے دن صبح کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں خواب و بیداری کے عالم میں تھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور مجھے اذان سکھائی۔

راوی کہتا ہے کہ عمر بن خطاب، ان سے پہلے خواب میں اذان دیکھ چکے تھے لیکن بیس دن تک انھوں نے کسی کو اس کی خبر نہیں کی، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تو کہنے لگے کہ عبد اللہ بن

زید نے مجھ سے پہلے آپ کو بتا دیا لہٰذا مجھے ذکر کرنے میں شرم محسوس ہوئی۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور جو تم سے عبد اللہ بن زید کہیں اس کو انجام دو۔ اس طرح بلالؓ نے اذان دی۔ ابو بشیر کہتے ہیں: مجھے ابو عمیر نے خبر دی ہے کہ انصار یہ گمان کرتے تھے کہ اس دن اگر عبد اللہ بن زید مریض نہ ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں کو مؤذن بناتے۔

۲۔ محمد بن منصور طوسی نے یعقوب سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے محمد بن اسحاق سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے، انھوں نے محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن زید نے کہا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقوس (گھنٹی) بجانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ نماز کے وقت ناقوس بجایا کرو تاکہ لوگ جمع ہو جائیں تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے میرے گرد چکر لگا رہا ہے، میں نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا! یہ ناقوس بیچتے ہو؟ اس نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے مطلع کروں گا۔ وہ کہنے لگا: کیا میں اس سے اچھی چیز بتاؤں؟ میں نے کہا: ہاں، بتاؤ۔

اس نے کہا کہ (نماز کے وقت لوگوں کو جمع کرنے کے لئے) یہ کلمات کہا کرو '': اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ ''راوی کہتا ہے کہ پھر وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا اور کہا: جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو یہ کہو '': اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، اشہد ان محمداً رسول اللہ، حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاۃ، قد قا مت الصلاۃ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ ''جب صبح ہوئی تو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا۔ آپ نے فرمایا: '' انشاء اللہ یہ خواب سچا ہے۔ بلال کے ساتھ جاؤ اور جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہ ان کو سکھاؤ تاکہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں۔

کیونکہ وہ تم سے زیادہ خوش لحن ہیں۔ ‘‘ میں بلال کے ساتھ گیا، اور ان کو بتاتا گیا وہ اذان دیتے گئے۔ عمر بن خطاب اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، جیسے ہی انھوں نے اس آواز کو سنا، دوڑے ہوئے آئے۔ وہ اتنی عجلت میں تھے کہ ان کی ردا زمین پر گھسٹ رہی تھی، وہ آئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ’’اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے، جو عبد اللہ بن زید نے دیکھا تھا۔ ‘‘رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فللّٰہ الحمد (تمام تعریفیں خدا سے مخصوص ہیں[1]۔)یہی روایت ابن ماجہ نے مندرجہ ذیل دو سندوں سے ذکر کی ہے۔

۳۔ ہم سے ابو عبید محمد بن میمون مدنی نے، ان سے محمد بن سلمہ الحرانی نے، ان سے محمد بن ابراہیم تیمی نے، انھوں نے محمد بن عبد اللہ بن زید سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے ناقوس کے بارے میں حکم دینے کے لئے سوچ رہے تھے، اور اسی کی طرف مائل تھے کہ عبد اللہ بن زید کو خواب میں اذان سکھائی گئی....الخ۔

۴۔ ہم سے محمد بن خالد بن عبد اللہ واسطی نے، ان سے ان کے والد نے، ان سے عبد الرحمان بن اسحاق نے، ان سے زہری نے، ان سے سالم نے، ان سے ان کے والد نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے ’’سنکھ‘‘ کی پیشکش کی۔ آپ کو یہ رائے پسند نہیں آئی۔ کیونکہ سنکھ یہودیوں سے مخصوص ہے۔ بعض نے ’’ناقوس‘‘ کا تذکرہ کیا۔ مگر ناقوس نصاریٰ کی روش ہونے کی وجہ سے آپ کو یہ مشورہ بھی مناسب نہیں لگا۔ اسی رات عمر بن خطاب اور انصار کے ایک شخص عبد اللہ بن زید کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی۔ زہری کا بیان ہے کہ صبح کی اذان میں بلال نے ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ کا اضافہ کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار بھی فرمادیا۔ ترمذی نے یہ روایت مندرجہ ذیل سند کے ذریعہ نقل کی ہے:

[1] سنن ابو داؤد: ۱،۱۳۴، حدیث نمبر۴۹۸ و ۴۹۹

۵۔ ہم سے سعد بن یحییٰ بن سعید اموی نے، ان سے ان کے والد نے، انھوں نے محمد بن اسحاق سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے، انھوں نے محمد بن عبد اللہ بن زید سے، انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب صبح ہوئی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے، اور خواب کے بارے میں آپ سے بتایا...الخ۔

٦۔ ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث کو ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے، زیادہ بہتر اور کامل طور پر نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ترمذی کہتے ہیں: عبد اللہ ابن زید سے مراد ابن عبد ربہ ہیں، اور ہمارے نزدیک اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی روایت نقل کی ہیں، ان میں سے صرف یہی ایک حدیث، جو اذان کے بارے میں ہے، صحیح ہے۔ یہ روایتیں ہم نے ''صحاح ستہ'' اور بعض مخصوص ''سنن صحاح'' جیسے سنن دارمی یا دار قطنی، سے نقل کی ہیں، کیونکہ ان کتابوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی دوسری سنن کو حاصل نہیں۔

مثلاً سنن دارمی یا دار قطنی یا وہ روایتیں جو ابن سعد نے اپنی طبقات یا بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہیں۔ ان کتابوں کی خاص اہمیت اور منزلت کی وجہ سے ہم نے ان کو دوسری مشہور سنن سے جدا رکھا ہے۔ اب ہم حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ان روایات کے بارے میں متن اور سند کے اعتبار سے گفتگو کریں گے، اس کے بعد اس سلسلہ کی باقی روایات کا تذکرہ کریں گے۔ ہمارے نزدیک یہ تمام روایات کئی وجہوں سے اپنے مدعا پر دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

پہلی وجہ

ان روایات کا منصب رسالت سے سازگار نہ ہونا: خداوند عالم نے اپنے رسول کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز کو اس کے وقت میں قائم کریں اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ خداوند عالم اس کو انجام دینے کی کیفیت سے بھی آگاہ کرے۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سلسلہ میں بہت دنوں (یا ایک روایت کے مطابق بیس دن) تک حیران و پریشان رہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے، کہ وہ

اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے طریقے سے ناواقف ہوں جو ان کے کاندھوں پر آچکی ہے؟؟ اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر کس و ناکس سے مدد مانگتے پھریں۔ جب کہ نص قرآنی (کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا[1]) کے مطابق سب پر آپ کی فوقیت مسلم ہے۔ یہاں پر فضل سے مراد علمی برتری ہے جو سیاق آیت (وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُن تَعْلَمُ[2]) سے واضح ہے۔ اور پھر نماز و روزہ عبادتی امور ہیں، جنگ و جدال کی طرح نہیں کہ جن کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ مشورہ بھی اس لئے نہیں ہوتا تھا کہ آپ بہتر طریقہ نہیں جانتے تھے، بلکہ یہ لوگوں کو متوجہ کرنے اور ان کی تشویق کے لئے ہوتا تھا۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ[3]) ''اے رسول... اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ لہٰذا اب انھیں معاف کردو، اور ان کے لئے استغفار کرو اور جنگی امور میں ان سے مشورہ کرو اور جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ ''کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ دینی امور میں عوام کے خواب و خیالات کو مصدر قرار دیا جائے؟

اور وہ بھی اذان و اقامت جیسی اہم عبادتوں کے لئے!! کیا یہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ان پر بہتان نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت عبد اللہ بن زید کے قبیلہ والوں نے گڑھی ہے، اور اس خواب کو خوب مشہور کیا، تاکہ فضیلت ان کے قبیلہ کے نام ہو جائے۔ لہٰذا ہم بعض مسندات میں دیکھتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی وہی ہیں، اور اس سلسلہ میں جس نے بھی ان پر اعتماد کیا، وہ ان سے حسن ظن کی بنیاد پر کیا ہے۔

دوسری وجہ

روایات میں بنیادی اختلاف: وہ روایتیں جو اذان کی تشریع اور آغاز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ان میں سرے سے ہی اختلاف

[1] آپ پر خدا کا بہت بڑا فضل ہے۔ (سورۂ نساء: ۱۱۳)
[2] اور آپ کو ان تمام باتوں کا علم دیدیا ہے جن کا علم نہ تھا۔ (سورۂ نساء: ۱۱۳)
[3] سورۂ آل عمران: ۱۵۹

اور تضاد پایا جاتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے:الف: پہلی یعنی ''سنن ابو داؤد'' کی روایت کے مطابق عمر ابن خطاب نے عبد اللہ ابن زید سے بیس دن پہلے خواب دیکھا، لیکن چوتھی یعنی ''ابن ماجہ'' کی روایت کے مطابق انھوں نے اسی رات خواب دیکھا جس رات عبد اللہ بن زید نے دیکھا تھا۔ ب: اذان، عبد اللہ ابن زید کے خواب کے ذریعہ شروع ہوئی۔ اور عمر ابن خطاب نے جب اذان کو سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: میں نے بھی یہی خواب دیکھا تھا، لیکن شرم کی وجہ سے آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔

ج: اذان کو عمر ابن خطاب نے رواج دیا، نہ کہ ان کے خواب نے۔ اس لئے کہ انھوں نے خود اذان کو ایجاد کیا جیسا کہ ترمذی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے: مسلمان جب مدینہ آئے... (یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں) ... اور بعض لوگوں نے کہا: سنکھ سے استفادہ کیا جائے، جیسا کہ یہودی کرتے ہیں۔ عمر ابن خطاب نے کہا کہ کسی سے اذان دینے کے لئے کیوں نہیں کہتے؟ لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یا بلال! قم فناد بالصلاۃ'' اے بلال! اٹھو اور نماز کے لئے دعوت دو یعنی اذان کہو۔ہاں ابن حجر نے ''نداء بالصلاۃ'' (نماز کے لئے اذان دینا[1]) سے اذان نہیں بلکہ ''الصلاۃ جامعہ'' کی تکرار مراد لی ہے۔

لیکن ابن حجر کی اس بات پر کوئی واضح دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔د: اذان کو خود رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شروع کیا۔ بیہقی کی روایت ہے: ... لوگوں نے ناقوس بجانے یا آگ روشن کرنے (کے ذریعہ نماز کی طرف بلانے) کا مشورہ دیا تو حضورؐ نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کو شفعاً (ہر فقرہ کو دو بار) اور اقامت کو وتراً (ہر فقرہ کو ایک بار) کہو۔ بیہقی کا بیان ہے کہ بخاری نے محمد بن عبد الوہاب اور مسلم نے اسحاق بن عمار سے یہی روایت نقل کی ہے[2]۔ ان تعارضات اور اختلافات کے ہوتے ہوئے بھلا ان روایات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟؟

---

[1] فتح الباری (ابن حجر) : ج۲، ص۱۸۱، دار المعرفہ
[2] سنن بیہقی: ۱/ ۶۰۸

تیسری وجہ

خواب، ایک نہیں بلکہ چودہ اشخاص نے دیکھا: حلبی کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اذان کا خواب صرف عبد اللہ ابن زید یا عمر بن خطاب سے ہی مخصوص نہیں، بلکہ عبد اللہ بن ابوبکر نے بھی اسی طرح کے خواب دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انصار میں سے سات آدمیوں، اور ایک دوسرے قول کے مطابق چودہ لوگوں نے اذان خواب میں دیکھنے کا ادعا کیا ہے[1]۔ کیا کوئی صاحب عقل ان روایات، بلکہ خرافات کو قبول کرسکتا ہے؟؟ ارے بھائی! شریعت اور اسلامی احکام کوئی بازیچہ اطفال نہیں! جو خوابوں اور خیالوں سے تیار کرلئے جائیں۔ اور اگر اسلام کی یہی حقیقت ہے تو پھر ایسے اسلام کو سلام ہے۔ اس سلسلہ میں حقیقت یہ ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام شریعت کو وحی کے ذریعہ حاصل فرمایا کرتے تھے، نہ کہ ہر کس و ناکس کے خواب سے۔

چوتھی وجہ

بخاری سے منقول روایت اور دوسری روایات کے درمیان تعارض: بخاری نے صراحت کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجلس مشاورت میں بلالؓ کو یہ حکم دیا کہ نماز کے لئے لوگوں کو بلاؤ، اور حضرت عمر اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ خود ابن عمر راوی ہیں کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو نماز کے وقت، نماز کے لئے متوجہ کرنے اور اس کی طرف بلانے والے کی ضرورت کا احساس کررہے تھے۔ ایک دن اس سلسلہ میں گفتگو کرنے لگے۔ بعض افراد نے ''نصاریٰ'' کی طرح ناقوس بجانے کا مشورہ دیا۔

بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح قرن یا سینگ سے استفادہ کیا جائے۔ عمر بولے: کسی کو نماز کی دعوت دینے کے لئے کیوں نہیں بھیجتے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤ[2]۔ اور وہ صریحی روایت جو خواب کے

---

[1] السیرۃ النبویہ (حلبی): ۲،۹۵
[2] صحیح بخاری: ۱،۳۰۶، باب اذان کی ابتدا،مطبع: دار القلم لبنان۔

بارے میں ہیں ان کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلالؓ کو اذان کا حکم، فجر کے ہنگام اس وقت دیا جب کہ ابن زید نے اذان کے سلسلہ میں اپنا خواب حضور سے بیان کیا۔ اور عبد اللہ بن زید کا خواب مجلس مشاورت کے کم از کم ایک رات بعد قابل تصور ہے۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلالؓ کو اذان کا حکم دے رہے تھے تو حضرت عمر وہاں موجود نہیں تھے، بلکہ جب اذان دی گئی تو وہ اپنے گھر میں تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے اس حالت میں، کہ ان کے کپڑے زمین پر گھسٹ رہے تھے اور سول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! قسم ہے اس پروردگار کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا، یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔ اور ہمارے پاس ایسا کوئی قرینہ نہیں جس کی روشنی میں یہ کہا جا سکے کہ بخاری کی روایت میں ''نداء بالصلاۃ'' سے مراد ''الصلاۃ جامعہ'' کی تکرار ہے اور خواب کی روایتیں اذان کے سلسلہ میں ہیں۔ اور اگر کوئی اس طرح کی بات کہے بھی تو یہ بغیر کسی دلیل کے ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب بلالؓ کو یہ حکم دیتے کہ الصلاۃ جامعہ کو باآواز بلند کہو تو مسئلہ ہی حل ہو جاتا، اور خصوصاً اگر اس کی تکرار کا حکم دیتے، تو حیرانی و پریشانی کی بات ہی نہ رہ جاتی۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی دعوت دینے کا جو حکم دیا اس سے مراد یہی معروف اذان شرعی تھی[1]۔ یہ چار مذکورہ وجوہات، احادیث کے مضمون کی تحقیق کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اور یہ اشکالات مذکورہ، احادیث کے غیر قابل قبول ہونے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم ان کی اسناد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ (تاکہ ہماری بات کی اور وضاحت ہو جائے) ان میں سے بعض کی سندیں موقوف ہیں، اور ان کا سلسلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہونچتا۔ اور بعض، مسند تو ہیں مگر ان کے راوی یا تو مجہول ہیں یا غیر

---

[1] نص و اجتہاد''شرف الدین'': ص۲۰۰، مطبع: اسوہ

موثق ہیں یا ضعیف۔ اور اسی وجہ سے علم رجال میں انھیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ اب ہم ان تمام چیزوں کو آپ کے سامنے ترتیب وار، وضاحت کے ساتھ بیان کررہے ہیں۔

پہلی روایت

جس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے، ضعیف ہے۔ کیونکہ:۱) یہ روایت ایک،بلکہ کئی نامعلوم افراد سے منقول ہے،کیونکہ اس کی سند میں بعض راویوں کے نام کے بجائے اس طرح کے کلمات آئے ہیں: ''انصار میں سے ان کے بعض خاندان والے'' یا ''یا انصار کے ایک گروہ نے ان سے روایت کی ہے۔''۲) یہ روایت ابو عمیر بن انس کے کچھ خاندانی رشتہ داروں سے منقول ہے۔ جیسا کہ ابن حجر کہتے ہیں: ''روایت ہلال اور اذان کی روایت'' کو ابو عمیر کے خاندانی رشتہ داروں نے، جن کا تعلق انصار و اصحاب نبی سے تھا، نقل کیا ہے۔اورابن سعد کہتے ہیں کہ یہ موثق راوی تھا، لیکن اس سے کم احادیث نقل ہوئی ہیں۔ ابن عبد البر رقمطراز ہیں: یہ مجہول اور غیر معروف ہے،اور اس کا قول دلیل نہیں بن سکتا[1]۔ مروی کا بیان ہے کہ اس نے صرف دو عنوان کے تحت احادیث بیان کی ہیں،یا چاند دیکھنے کے سلسلہ میں یا اذان کے بارے میں۔

دوسری روایت

اس روایت کی سند میں ایسے رایوں کا تذکرہ ہے جن کا قول قابل قبول نہیں ،وہ مندرجہ ذیل ہیں:الف: محمد بن ابراہیم بن حارث بن خالد تیمی، ابو عبد اللہ (سن وفات تقریباً ۱۲۰ھ) : ابو جعفر عقیلی نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں : میں نے اپنے والد سے سنا (انھوں نے محمد بن ابراہیم تیمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا) کہ اس کی احادیث میں اشکال ہے، اس نے بہت سی غیر قابل قبول احادیث نقل کی ہیں[2]۔

---

[1] تہذیب التہذیب ''ابن حجر'' : ۱۳، ۸۸ ، حدیث نمبر: ۸۶۷
[2] تہذیب الکمال: ۲۴، ۳۰۴

ب: محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار: اہل سنت اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتے۔ (اگرچہ سیرۂ ابن ہشام کی اساس یہی ہے) احمد بن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے اس (محمد بن اسحاق) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ضعیف اور غیر قابل قبول ہے۔ ابو الحسن میمونی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ محمد بن اسحاق ضعیف ہے۔ اور نسائی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے[۱]۔

ج: عبد اللہ بن زید: اس کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس نے بہت کم احادیث کی روایت کی ہے۔ ترمذی اس کے بارے میں رقمطراز ہیں: حدیث اذان کے علاوہ جو بھی حدیث اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حاکم کہتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ وہ جنگ احد مین قتل کردیا گیا تھا۔ اور اس کی تمام روایات منقطعہ (جس کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہونچتی) ہیں۔ ابن عدی کا بیان ہے: حدیث اذان کے علاوہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی حدیث بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے[۲]۔

ترمذی نے بخاری سے روایت کی ہے کہ حدیث اذان کے علاوہ اس سے مروی اور کسی حدیث کے بارے میں ہم نہیں جانتے[۳]۔ حاکم کا بیان ہے: عبد اللہ بن زید وہ شخصیت ہیں، جنھیں خواب میں اذان سکھائی گئی۔ اور یکے بعد دیگرے فقہاء اسلام اسے قبول کرتے رہے لیکن صحیحین میں اس کو نقل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کی سند میں اختلاف پایا جاتا ہے[۴]۔

تیسری روایت

اس کی سند ''محمد بن اسحاق بن یسار، اور محمد بن ابراہیم تیمی'' پر مشتمل ہے۔ اور آپ ان کے حالات سے واقف ہو چکے ہیں۔ نیز یہ بھی جان چکے ہیں کہ عبد اللہ بن زید بہت کم روایت بیان کرنے والا تھا۔ اور اس کی تمام روایات منقطعہ ہیں۔

---

[۱] تہذیب الکمال: ۲۴٫ ۴۲۳، اس کے علاوہ ملاحظہ ہو ''تاریخ بغداد: ۱٫ ۳۲۱، ۲۲۴''
[۲] سنن ترمذی: ۱٫ ۳۶۱۔ تہذیب التہذیب ''ابن حجر'' : ۵٫ ۲۲۴
[۳] تہذیب الکمال ''جمال الدین المزی'' :۱۴٫ ۵۴۱ ، مطبع: موسسہ رسالت
[۴] مستدرک الحاکم: ۳٫ ۳۳۶

چوتھی روایت

اس کی سند میں مندرجہ ذیل راوی پائے جاتے ہیں:۱۔ عبد الرحمٰن بن اسحاق بن عبد اللہ مدنی: یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں : میں نے مدینہ میں اس کے (عبد الرحمٰن بن اسحاق) کے بارے میں معلوم کیا تو مجھ سے کسی نے بھی اس کی تعریف نہیں کی۔ اس بارے میں علی بن مدنی کا بھی یہی کہنا ہے۔بلکہ علی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب سفیان سے عبد الرحمٰن بن اسحاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرقۂ قدریہ[1] میں سے تھا ۔ مدینہ والوں نے اسے مدینہ سے باہر نکال دیا تھا، وہ ہمارے پاس ''مقتل ولید'' میں آیا تو ہم نے اس کو اپنا ہم نشین نہیں بنایا۔

ابو طالب کہتے ہیں :میں نے احمد بن حنبل سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس نے ابو زناد سے بہت سی غیر قابل قبول روایات نقل کی ہیں۔ احمد بن عبد اللہ العجلی کا بیان ہے : وہ ضعیف احادیث نقل کرتا تھا ۔ ابو حاتم کا قول ہے : وہ ایسی احادیث نقل کرتا تھا جن کے اوپر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔ بخاری تحریر کرتے ہیں: اس کے حافظہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔ اور مدینہ میں موسیٰ زمعی کے علاوہ اس کا کوئی شاگرد بھی نہیں تھا ۔ موسیٰ زمعی نے اس سے ایسی روایت بھی نقل کی ہیں جن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

دار قطنی رقمطراز ہیں: وہ ضعیف ہے اور اس پر ''قدری'' ہونے کا الزام ہے۔ابن عدی کہتے ہیں: اس کی احادیث میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو نادرست ہیں۔ اور غلط بیانی پر مشتمل ہیں[2]۔

۲۔ محمد بن عبد اللہ واسطی: جمال الدین مزی اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ابن معین نے اس کو ''لاشی'' (جس کی کوئی اہمیت نہیں) سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کی ان روایتوں کا انکار کیا ہے جو اس نے اپنے باپ سے نقل کی ہیں۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ

---

[1] وہ فرقہ جو تقدیر کا منکر ہے اور ہر شخص کے مختار ہونے کا قائل ہے۔ ''المنجد اردو، ص۷۸۲'' (مترجم)
[2] تہذیب الکمال ''جمال الدین المزی'' : ۱۶، ۵۱۵ ، حدیث نمبر: ۳۷۵۵

میں نے یحییٰ بن معین سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا: وہ بہت برا اور جھوٹا آدمی ہے۔ اس نے بہت سی ناقابل قبول اور جھوٹی روایتیں نقل کی ہیں۔ ابو عثمان سعید بن عمر بردعی کہتے ہیں کہ میں نے ''ابا زرعہ'' سے محمد بن خالد کے بارے میں سوال کیا۔ وہ بولے: برا انسان ہے۔ ابن حبان نے کتاب ''الثقاۃ'' میں ذکر کیا ہے: وہ خطاکار اور مخالف حق تھا[1]۔ شوکانی نے اس کی روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ اس روایت کی اسناد بہت ضعیف ہیں[2]

پانچویں روایت

اس کی سند میں مندرجہ ذیل راوی ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق بن یسار۔

(۲) محمد بن حارث تیمی۔

(۳) عبد اللہ بن زید۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے راوی کے بارے میں بحث گذر چکی ہے کہ وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ اور ان دونوں نے جو روایت بھی تیسرے راوی (عبد اللہ بن زید) سے نقل کی ہے اس کی سند منقطعہ ہے۔ اور یہیں سے چھٹی روایت کا ضعف بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ (چونکہ اس کا راوی محمد بن اسحاق ہے۔) یہ وہ روایتیں ہیں جو بعض صحاح میں وارد ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ اس (اذان کے) سلسلہ میں امام احمد، دارمی، دار قطنی نے اپنی مسانید، امام مالک نے اپنی موطاء، ابن سعد نے طبقات اور بیہقی نے

---

[1] تہذیب الکمال ''جمال الدین المزی'' : ۱۳۸،۲۵، حدیث نمبر: ۵۱۷۷
[2] نیل الاوطار ''الشوکانی'' : ۴۲،۲

اپنی سنن میں روایات نقل کی ہیں۔ جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے:الف: امام احمد کی روایت جو انھوں نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے:امام احمد نے اذان کے خواب کی روایت اپنی مسند میں عبد اللہ بن زید سے تین سندوں کے ذریعہ نقل کی ہے[۱]۔

ا) پہلی سند میں زید بن حباب بن ریان تمیمی (م۲۰۳ھ) موجود ہے۔اس کو علماء نے بہت زیادہ خطا کرنے والا کہا ہے۔ اس نے سفیان بن ثوری سے ایسی احادیث نقل کی ہیں جو سند کے لحاظ سے عجیب و غریب ہیں۔ابن معین کہتے ہیں: اس کی ثوری سے نقل کردہ احادیث تحریف شدہ ہیں[۲]۔

اسی طرح اس روایت کے راویوں میں سے ایک عبد اللہ بن محمد بن عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ہے۔ اور تمام صحاح اور مسندوں میں اس کی صرف یہی ایک روایت ہے اور اس میں بھی اس کے قبیلہ کی فضیلت کا تذکرہ ہے،اسی وجہ سے اس پر اعتماد اور بھی کم ہو جاتا ہے۔

دوسری روایت محمد بن اسحاق بن یسار سے مروی ہے۔ اس کے بارے میں آپ گذشتہ بحث میں جان چکے ہیں۔تیسری حدیث کا راوی محمد بن ابراہیم حارث تیمی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ محمد بن اسحاق بھی۔ اور روایت کی سند، عبد اللہ بن زید پر منتہی ہوتی ہے، جس نے بہت کم روایتیں بیان کی ہیں۔جب کہ دوسری روایت میں اذان کے خواب،اور پھر جناب بلالؓ کو اذان سکھائے جانے کے تذکرہ کے بعد مذکور ہے کہ جناب بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے۔آپؐ سو رہے تھے ۔ تو جناب بلالؓ نے چلا کر ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہا۔ لہٰذا یہ کلمہ نماز صبح کی اذان میں داخل کردیا گیا۔

---

[۱] مسند امام احمد: ۶۳۲٫۴ ، ۶۳۳، حدیث نمبر: ۱۶۰۴۱، ۱۶۰۴۲، ۱۶۰۴۳۔
[۲] میزان الاعتدال ''ذہبی'' : ۱۰۰٫۲، حدیث نمبر:۲۹۹۷

ب: وہ روایت جس کو دارمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا :دارمی نے اپنی مسند میں اذان کے خواب کی روایت کو ایسی سندوں سے ذکر کیا ہے جو سب کی سب ضعیف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۱) ہمیں محمد بن حمید نے خبر دی ہے کہ ہم سے مسلم نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے ...الخ۔

۲) یہ روایت بھی مندرجہ بالا سند کے ساتھ ہے۔ محمد بن اسحاق کے بعد یہ اضافہ ہے: ہم سے یہ حدیث محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی نے، محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے۔

۳) ہمیں محمد بن یحییٰ نے خبر دی کہ ہم سے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق سے حدیث بیان کی ہے...بقیہ وہی راوی ہیں جو دوسری حدیث کی سند میں مذکور ہیں[1]۔

پہلی روایت کی سند منقطع ہے، دوسری اور تیسری روایت محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی پر مشتمل ہے ۔ اور قارئین گذشتہ صفحات میں اس کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔اسی طرح ابن اسحاق کی حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے۔

ج: وہ روایت جس کو امام مالک نے موطاء میں ذکر کیا ہے:امام مالک نے اپنی موطاء میں اذان کے خواب کی روایت یحییٰ سے، انھوں نے مالک سے اور انھوں نے یحییٰ بن سعید سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارادہ رکھتے تھے کہ دو لکڑیوں سے استفادہ کیا جائے[2]۔ اس کی سند منقطع ہے اور یہاں پر اس سے یحییٰ بن سعید بن قیس مراد ہے جو [illegible]ھ میں پیدا ہوئے اور ہاشمیہ میں ۱۴۳ھ کو انتقال کر گئے[3]۔

---

[1] سنن دارمی: ۱،۲۸۷، باب: بدء اذان(اذان کی ابتدا)
[2] موطاء ابن مالک: ۴۴، باب: نماز کے لئے صدا دینے کے بارے میں ۔ حدیث نمبر:۱
[3] سیر اعلام النبلاء ''ذہبی'' ۵، ۴۶۸، حدیث نمبر: ۲۱۳

د: وہ روایت جس کو ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے: محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں ایسی سندوں سے یہ روایت کی ہے جو موقوفہ میں اور ان کے ذریعہ حجت قائم کرنا ممکن نہیں۔ پہلی روایت نافع بن جبیر تک پہونچتی ہے، جو نوے کی دہائی میں اس دنیا سے اٹھ گیا اور ایک قول کے مطابق اس نے سنہ ۹۹ھ میں وفات پائی۔

دوسری روایت عروہ بن زبیر پر منتہی ہوتی ہے، جو سنہ ۲۹ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۹۳ھ میں فوت ہوگیا۔

تیسری روایت زید بن اسلم پر ختم ہوتی ہے، جس کی وفات سنہ ۱۳۶ھ میں ہوئی۔

چوتھی روایت سعید بن مسیب، جس نے سنہ ۹۴ھ میں انتقال کیا اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ جو سنہ ۸۲ھ یا سنہ ۸۳ھ میں فوت ہوا، پر تمام ہوتی ہے۔ ذہبی نے عبد اللہ بن زید کے سلسلہ میں کہا ہے کہ اس سے سعید بن مسیب اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے احادیث بیان کی ہیں لیکن اس نے کبھی راوی کو دیکھا بھی نہیں ہے[1]۔

ابن سعد نے مندرجہ ذیل سند کے ذریعہ بھی یہ روایت نقل کی ہے: احمد بن محمد بن ولید ازرقی نے مسلم بن خالد سے، انھوں نے عبد الرحمٰن بن عمر سے، انھوں نے ابن شہاب سے، انھوں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے اور انھوں نے عبد ابن عمر سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ایسا راستہ نکالا جائے جس سے لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکے... یہاں تک کہ انصار میں سے عبد اللہ بن زید نامی ایک شخص کو خواب میں اذان کی تعلیم دی گئی اور اسی رات عمر بن خطاب کو بھی خواب ہی میں اذان سکھائی گئی... اس کے بعد وہ کہتے ہیں: پھر بلالؓ نے نماز صبح کی اذان میں ''الصلاۃ خیر من النوم''کا اضافہ کردیا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اذان میں شامل کرلیا۔ یہ سند مندرجہ ذیل رایوں پر مشتمل ہے: الف: مسلم بن خالد بن قرۃ: جس کو ابن جرحہ بھی کہا جاتا تھا۔ یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علی بن مدینی نے اسے لا شی (کچھ بھی نہیں)

[1] طبقات الکبریٰ''ابن سعد'': ۱،۲۴۶، ۲۴۷

کہا ہے۔ بخاری نے اسے حدیث کا انکار کرنے والا بتایا ہے۔ نسائی کا کہنا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ابو حاتم نے بھی کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے حدیث کا انکار کرنے والا ہے اور یہ ایسی حدیثیں نقل کرتا ہے جو دلیل بننے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ اچھی بری سبھی باتیں نقل کرتا رہا ہے[1]۔

ب: محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری مدنی (۵۱ ۔ ۱۲۳ھ)۔انس بن عیاض، عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہا دیکھا کہ زہری کو کتاب دی جاتی تھی تو وہ اس کو نہ تو خود پڑھتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا پڑھ کر سناتا تھا۔ پھر بھی جب کبھی ان سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا ہم تمھارے حوالے سے یہ روایت نقل کردیں؟ تو وہ کہہ دیتے تھے: ''ہاں''۔ابراہیم بن ابی سفیان القیسرانی نے فریابی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے ہوئے سنا ہے: میں زہری کے پاس گیا۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آیا جیسے میرا آنا اس پر گراں گذرا ہو۔

میں نے اس سے کہا کہ اگر تم ہمارے بزرگوں کے پاس آتے اور وہ تمھارے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرتے تو تم پر کیا گزرتی؟ وہ بولا : تمھاری بات صحیح ہے۔پھر وہ اندر گیا اور ایک کتاب لاکر مجھے دی اور کہا کہ اس کو لے لو اور اس کی روایتوں کو میرے نام سے نقل کرو۔ ثوری کہتے ہیں: میں نے اس میں سے ایک حرف بھی نقل نہیں کیا ہے[2]۔

ھ: وہ روایت جو بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے: بیہقی نے اذان کے خواب کی روایت ایسی اسناد کے ذریعہ نقل کی ہے جن میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ضعف کی طرف ہم یہاں اشارہ کررہے ہیں۔اول: روایت، ابو عمیر بن انس پر مشتمل ہے، جنھوں نے انصار میں سے اپنے خاندان کے لوگوں سے روایت کی ہے۔ اور آپ ابو عمیر بن انس کے بارے میں یہ جان ہی چکے ہیں کہ ابن عبد البر نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مجہول ہے، اس کی روایت قابل استفادہ نہیں۔ انھوں نے اپنی روایت،

---

[1] تہذیب الکمال ''جمال الدین المزی'' : ٢٧، ٥٠٨، حدیث نمبر: ٥٩٢٥
[2] تہذیب الکمال ''جمال الدین المزی'' ٢٦، ٤٢٩، ٤٤٠

گمنام اور نامعلوم اشخاص سے نقل کی ہے اور انھیں ''عمومہ'' سے تعبیر کیا ہے[1]۔ اگر ہم تمام صحابہ کی عدالت کے قائل بھی ہو جائیں تو اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ افراد صحابی تھے۔ اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ یہ اصحاب تھے تب بھی اصحاب کی موقوفہ روایات حجت نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ نہیں معلوم کہ اس صحابی نے بھی یہ روایت کسی صحابی ہی سے نقل کی ہے یا نہیں۔

دوم: یہ روایت ایسے افراد پر مشتمل ہے جو قابل اعتماد نہیں ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں: ا محمد بن اسحاق بن یسار۔

۲۔ محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی۔

۳۔ عبد اللہ بن زید۔ ان تمام افراد کے ضعیف ہونے کے بارے میں بحث کی جا چکی ہے۔

سوم: روایت، ابن شہاب زہری پر مشتمل ہے۔ جس نے سعید بن مسیب (م۹۴ھ)، اور اس نے عبد اللہ بن زید سے روایت کی ہے۔ اور آپ جان چکے ہیں کہ اس نے عبد اللہ بن زید کو دیکھا بھی نہیں تھ[2]

و: دار قطنی کی روایت: دار قطنی نے اذان کے خواب کی روایت مندرجہ ذیل اسناد سے کی ہے: ا۔ ہمیں محمد بن یحییٰ بن مراد نے، ان سے ابو داؤد نے، ان سے عثمان بن ابی شیبہ نے، ان سے حماد بن خالد نے، ان سے محمد بن عمرو نے، ان سے محمد بن عبد اللہ نے اور ان سے ان کے چچا عبد اللہ بن زید نے بیان کیا ہے...

۲۔ ہم سے محمد بن یحییٰ نے، ان سے ابو داؤد نے، ان سے عبید اللہ ابن عمر نے، ان سے عبد الرحمان بن مہدی نے اور ان سے محمد بن عمرو نے روایت کی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن محمد کو کہتے ہوئے سنا: میرے جد عبد اللہ بن زید اس خبر کے بارے میں[3]...

یہ دونوں سندیں محمد بن عمرو پر مشتمل ہیں، جس کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ آیا یہ وہ انصاری ہے، جس سے مسانید اور صحاح میں

---

[1] تہذیب التہذیب ''ابن حجر'' ۱۲؍۱۸۸، حدیث نمبر: ۸۶۷
[2] سنن بیہقی: ۱؍۵۷۵، حدیث نمبر: ۱۸۳۷
[3] سنن دار قطنی: ۱؍۲۴۵، حدیث نمبر: ۵۷

صرف یہی ایک روایت منقول ہے اور اس کے بارے میں ذہبی کہتا ہے کہ یہ پہچانا نہیں جا سکا، یعنی یہ مجہول الحال ہے، یا وہ محمد بن عمرو ابو سہل انصاری ہے جس کو یحییٰ قطان، ابن معین اور ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے[1]۔

۳) ہم سے ابو محمد بن ساعد نے، ان سے حسن بن یونس نے، ان سے اسود بن عامر نے، ان سے ابوبکر بن عیاش نے، ان سے اعمش نے، ان سے عمرو بن مرہ نے، ان سے عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے، اور ان سے معاذ بن جبل نے روایت کی ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی (عبد اللہ بن زید) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے[2]۔ یہ سند منقطع ہے۔ کیونکہ معاذ بن جبل سنہ ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں فوت ہوئے اور عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ سنہ ۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ دار قطنی نے عبد الرحمٰن کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف الحدیث اور برے حافظہ والا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے یہ روایت عبد اللہ بن زید سے سنی ہے[3]۔

یہاں تک کی بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اذان کی مشروعیت کی بنیاد عبد اللہ بن زید، عمر بن خطاب یا کسی اور کے خواب کو کسی بھی صورت میں نہیں قرار دیا جا سکتا اس کے علاوہ ان احادیث میں تعارض بھی پایا جاتا ہے اور ان کی سند بھی کامل نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے کوئی بھی بات ثابت نہیں ہوتی۔ ان سب کے علاوہ یہ باتیں عقل قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہم اول بحث میں عرض کر چکے ہیں۔

اہلبیت علیہم السلام اور ترویج اذان کی کیفیت

جب ہم اذان کی مشروعیت کے بارے میں اہل بیت علیہم السلام کی روایتوں کو دیکھتے ہیں تو وہ مقام و منزلت نبوت سے سازگار

---

[1] میزان الاعتدال ''ذہبی'' ۳،۶۷۴ ، حدیث نمبر: ۸۰۱۷، ۸۰۱۸۔ تہذیب الکمال '' جمال الدین المزی'' : ۲۶، ۲۲۰، حدیث نمبر: ۵۵۱۶۔ تہذیب التہذیب ''ابن حجر'' : ۹،۳۷۸، حدیث نمبر:۶۲۰، مطبع: دار صادر۔

[2] سنن دار قطنی: ۱،۲۴۲، حدیث نمبر: ۳۱

[3] مصدر سابق

نظر آتی ہیں۔ جب کہ گذشتہ احادیث، مقام رسالت سے میل نہیں کھاتی تھیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:
''جب جبرئیل علیہ السلام اذان لے کر نازل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس علی علیہ السلام کی آغوش میں تھا۔ جبرئیل نے اذان اور اقامت کہی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہوئے تو امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:
''اے علیؑ! تم نے سنا؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں، یا رسول اللہ! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے حفظ کرلیا؟ فرمایا: جی ہاں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلالؓ کو بلاؤ اور ان کو سکھاؤ۔

آپؑ نے بلالؓ کو بلایا اور اذان واقامت کی تعلیم دی۔[1]'' مذکورہ روایت اور وسائل الشیعہ کی پہلی روایت (عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما اسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی السماء فبلغ البیت المعمور و حضرت الصلاۃ فاذن جبرئیل علیہ السلام واقام فتقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصف الملائکۃ والنبیون خلف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[2]) میں اختلاف صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں جبرئیل علیہ السلام نافلہ بجا لانا چاہتے تھے لیکن دوسری روایت کے مطابق جبرئیل علیہ السلام نافلہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ بلال کو بلاؤ اور اذان واقامت کی تعلیم دو۔

اس نظریہ کی تائید وہ روایتیں بھی کرتی ہیں جن کو عسقلانی نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کی سندوں کے بارے میں مناقشہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان احادیث کے مطابق، اذان مکہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہوئی۔ انہیں روایتوں میں سے طبرانی کی روایت بھی ہے جو سالم بن عبد اللہ بن عمر بن ابیہ کی سند سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی تو خدا نے آپؐ پر کلمات اذان کی وحی کی۔ جب آپؐ معراج سے واپس آئے تو بلال کو اس کی تعلیم دی۔ اس کی سند میں طلحہ بن زید ہے جو کہ متروک ہے۔ وہ روایات جنھیں عسقلانی نے نقل کیا ہے، اذان کی تشریع کے سلسلہ میں اہل بیت علیہم السلام کے موقف

---

[1] وسائل الشیعہ: ۴، ۶۱۲،باب اذان و اقامت، حدیث نمبر: ۲
[2] وسائل الشیعہ: ۵،۳۶۹، ابواب الاذان والاقامۃ، حدیث نمبر: ۱ (مترجم)

(نظریہ) کے صحیح ہونے اور اذان کی بنیاد عبد اللہ بن زید یا عمر بن خطاب کے خواب کو قرار دیئے جانے کے نادرست ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ چھٹے امام علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان عبد اللہ بن زید سے لی۔ آپؑ نے فرمایا کہ وحی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتی تھی پھر بھی تم یہ گمان کرتے ہو کہ آپؐ نے اذان کو عبد اللہ بن زید سے لیا ہے؟[1] الف: عسقلانی نے بزار کے حوالہ سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس وقت خداوند عالم نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذان کی تعلیم دے تو جناب جبرئیل علیہ السلام ایک سواری کے ذریعہ آپؐ کے پاس آئے، جس کو براق کہا جاتاہے۔ آپؐ اس پر سوار ہوئے...[2]۔

ب: ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے حدیث معراج کے سلسلہ میں روایت ہے کہ ... پھر آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا اور انھوں نے اذان اقامت کہی۔ اور اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' پڑھا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور قوم کے ساتھ نماز پڑھی[3]۔

ج: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی اور اذان کا وقت ہوا تو جناب جبرئیل علیہ السلام نے اذان کہی[4]۔ د: عبد الرزاق نے معمر سے، انھوں نے ابن حماد سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے اپنے دادا سے اور انھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث معراج کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ... پھر جبرئیل کھڑے ہوئے اور اپنے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت کو اپنے کان پر رکھ کر دو دو فقرے کرکے اذان کہی۔ آخر میں میں دو بار ''حی علیٰ خیر العمل'' کہا[5]۔

[1] وسائل الشیعہ: ج۴، ابواب الاذان والاقامہ، حدیث نمبر۳

[2] فتح الباری فی شرح البخاری: ۲،۷۸، مطبع: دار المعرفہ لبنان

[3] وسائل الشیعہ: ج۴ ، باب اذان و اقامت، باب ۹، ص۳

[4] مصدرسابق، ج۱۰

[5] سعد السعود: ۱۰۰، بحار الانوار: ۸۱،۱۰۷، جامع احادیث شیعہ: ج۲، ص۲۲۱

''حی علیٰ خیر العمل''کے جزء اذان ہونے کی دلیل

وہ دلیلیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان و اقامت کا جزء ہے، اور اس کے بغیر اذان و اقامت درست نہیں، مندرجہ ذیل ہیں:زاول: وہ روایتیں جو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان احادیث میں سے بطور مثال ہم وہ چند حدیثیں جن کو مندرجہ ذیل اصحاب نے صحیح سند کے ساتھ ذکرکیاہے، پیش کررہے ہیں:۱۔ عبد اللہ بن عمر

۲۔ سہل بن حنیف

۳۔ بلال

۴۔ ابی محذورہ

۵۔ ابن ابی محذورہ

۶۔ زید بن ارقم عبد اللہ ابن عمر سے مروی احادیث:الف: نافع کا بیان ہے کہ ابن عمر کبھی کبھی ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' بھی کہتے تھے[۱]۔

ب: لیث بن سعد نے نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر اپنے سفر میں اذان نہیں کہتے تھے۔ اور اپنی اذان میں ''حی علی الفلاح'' اور کبھی کبھی ''حی علی خیر العمل''، بھی کہتے تھے[۲]۔

ج: لیث بن سعد نے نافع سے روایت کی ہے کہ کبھی کبھی ابن عمر اپنی اذان میں ''حی علی خیر العمل''کا اضافہ کیا کرتے تھے[۳]۔

---

[۱] سنن بیہقی: ۱،۶۲۴، حدیث نمبر: ۱۹۹۱

[۲] حوالہ سابق

[۳] حوالہ سابق: ۱،۲۴۴۔ دلائل الصدق: ج،۳، قسم ،۲، ص،۱۰۰، بحوالہ مبادی الفقہ الاسلامی ''عرفی'' : ۳۸، بحوالہ شرح تجرید، جس کی روایت ابن ابی شیبہ نے کی ہے اور ''شفاء '' میں اس کو نقل کیا ہے۔ جیسا کہ صعدی نے ''جواہر الاخبار والآثار المستخرجۃ من لجۃ البحر الذخار، کی جلد ،۲، ص،۱۹۲ ، پر نقل کیا ہے۔

د: اسی طرح کی روایت نسیر بن ذعلوق نے ابن عمر سے کی ہے کہ وہ سفر میں ایسا کیا کرتے تھے[۱]۔

ھ: عبد الرزاق نے معمر سے، انھوں نے یحییٰ سے، انھوں نے ابی کثیر سے، اور انھوں نے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ ابن عمر جب اذان میں ''حی علی الفلاح'' کہتے تھے تو اس کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' بھی کہتے تھے اور اس کے بعد ''اللہ اکبر' اللہ اکبر، لا الٰہ الااللہ'' کہتے تھے[۲]۔ اور یہی روایت ابن ابی شیبہ[۳] نے ابن عجلان اور عبید اللہ کے توسط سے اور انھوں نے بحوالہ نافع ابن عمر بیان کی ہے۔

سہل بن حنیف کی بیان کردہ احادیث:

الف: بیہقی نے روایت کی ہے کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' کے اذان میں ذکر کرنے کی روایت ابی امامہ، سہل بن حنیف سے نقل کی گئی ہے[۴]۔

ب: ابن وزیر نے محب طبری شافعی کی کتاب احکام الاحکام کے حوالہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: صدقہ بن یسار نے ابی امامہ سہل بن حنیف سے روایت کی کہ جب وہ اذان دیتے تھے تو ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتے تھے۔ یہ روایت سعید بن منصور نے بیان کی ہے[۵]۔

بلالؓ سے مروی احادیث: الف) عبد اللہ بن محمد بن عمار نے، عمار بن حفص بن عمر اور عمر بن حفص ابن عمر سے اور انھوں نے اپنے آباء واجداد سے، اور انھوں نے بلالؓ سے روایت کی ہے کہ بلالؓ صبح کی اذان دیتے تھے اور اس میں ''حی علی خیر العمل'' کہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' کو ہٹا کر اس کی جگہ پر ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہا

---

[۱] مصدر سابق، ۶۲۵، مطبع: دار الکتب العلمیہ، لبنان۔
[۲] حوالہ سابق: ۱،۴۶۰
[۳] حوالہ سابق: ۱،۱۴۵، اور مصنف عبد الرزاق کا حاشیہ: ۱،۴۶۰
[۴] حوالہ سابق: ۱،۴۲۵
[۵] دلائل الصدق: ج۳، قسم ۲، ص۱۰۰، بحوالہ مبادی الفقہ الاسلامی: ۳۸، سن طباعت ۱۳۵۴ ھ۔

کرو[1]۔ روایت کا آخری حصہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ''الصلاۃ خیر من النوم ''کا اذان میں اضافہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (عمر بن خطاب کے زمانہ میں) ہوا ہے۔ جس پر بہت سی روایات گواہ ہیں جن کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے[2]۔

ب) بلالؓ صبح کی ذان دیتے تھے،اور اس میں ''حی علی خیر العمل'' کہتے تھے[3]۔

ابی محذورہ سے منقول روایات :

الف: محمد بن منصور نے اپنی کتاب ''الجامع'' میں اپنی اسناد کے ساتھ رجال مرضیین (پسندیدہ راوی) کے حوالہ سے ابی محذورہ ،جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مؤذن تھے، سے روایت کی ہے، کہ وہ کہتے ہیں :مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہنے کا حکم دیا[4]۔

ب: عبد العزیز بن رفیع سے مروی ہے کہ ابی محذورہ نے کہا : میں نوجوان تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : اپنی اذان کے آخر میں ''حی علیٰ خیر العمل''کہا کرو[5]۔

ابن ابی محذورہ کی روایت''شفاء'' میں ہذیل بن بلال المدائنی سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی محذورہ کو ''حی علیٰ الفلاح، حی علیٰ خیر العمل'' کہتے ہوئے سنا[6]۔

---

[1] مجمع الزوائد: ۱٫۳۳۰۔ طبرانی کی کتاب الکبیر کے حوالہ سے۔ مصنف عبد الرزاق: ۱٫۴۶۰، حدیث نمبر: ۱۷۸۶۔ سنن بیہقی: ۱٫۶۲۵، حدیث نمبر: ۱۹۹۴۔ منتخب الکنز، حاشیہ مسند : ۳٫ ۲۷۶۔ ابی شیخ کی کتاب ''کتاب الاذان '' کے حوالہ سے۔ دلائل الصدق، ج٫۳، قسم ٫۲، ص٫۹۹

[2] موطاء ''مالک'' : ۴۶۔ سنن دار قطنی۔ مصنف عبد الرزاق:۱٫۴۷۴، ۵۷۴، حدیث نمبر: ۱۹۹۴۔ نمبر۱۸۲۷، ۱۸۲۹، ۱۸۳۲۔ منتخب عبد الرزاق حاشیۂ مسند: ۳٫۲۷۸۔ اس میں ہے کہ یہ کہا کہ یہ بدعت ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد وغیرہ۔رجوع کریں،

[3] منتخب کنز العمال، حاشیۂ مسند: ۳٫۲۷۶۔ دلائل الصدق: ج٫۳، قسم ٫۲، ص٫۹۹، بحوالہ کنز العمال: ۴٫۲۶۶

[4] بحر ذخار: ۲٫۱۹۲، جواہر الاخبار والآثار: حاشیہ٫۱۹۲

[5] میزان الاعتدال'' ذہبی'' : ۱٫۱۳۹۔ لسان المیزان ''عسقلانی'' ۱٫۲۶۸

[6] حوالہ سابق

زید بن ارقم سے مروی حدیث: روایت ہے کہ انھوں نے اپنی اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہا[1]۔ حلبی کہتے ہیں ... ابن عمر اور علی بن الحسین علیہما السلام کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دونوں اپنی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتے تھے[2]۔

علاء الدین حنفی نے اپنی کتاب ''التلویح فی شرح الجامع الصحیح'' میں کہا ہے: ''حی علیٰ خیر العمل'' کی روایت کے بارے میں ابن حزم کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے، کہ عبد اللہ بن عمر اور ابی امامہ سہل بن حنیف ''حی علیٰ خیر العمل'' کہا کرتے تھے۔ مصنف پھر کہتے ہیں: ''علی بن الحسین'' (ع) بھی یہی کیا کرتے تھے[3]۔ اور ابن نباح اپنی اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کہا کرتے تھے[4]۔

دوم: وہ روایتیں جو صحیح سندوں کے ساتھ اہل بیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں: حضرت علی علیہ السلام سے مروی حدیث: روایت میں ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جان لو! تمھارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے۔ اور بلالؓ کو ''حی علیٰ خیر العمل'' کے ساتھ اذان کہنے کا حکم دیا۔ یہ روایت شفا میں منقول ہے[5]۔

حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے منقول روایات

الف: حاتم بن اسماعیل نے جعفر بن محمد سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے: علی ابن الحسین علیہما السلام جب اذان میں ''حی علی الفلاح'' کہتے تھے تو اس کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' بھی کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی اذان اول ہے[6]۔ ہاں پر ''اذان اول'' کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذان کے علاوہ اور کسی اذان پر حمل کرنا صحیح نہیں ہے[7]۔

---

[1] امام صادق و مذاہب اربعہ: ۳۸۲،۵

[2] السیرۃ الحلبیہ. باب الاذان:۹۸،۲، مطبع: مکتبۃ الاسلامیہ

[3] دلائل الصدق: ج۳، قسم ۲، ص۱۰۰، بحوالہ مبادی الفقہ الاسلامی ''عرفی'': ۳۸۔ سن طباعت ۱۳۵۴ ھ، المحلی: ۱۶۰،۳

[4] رجوع کریں: وسائل الشیعہ: ۲۴۵،۴، باب کیفیت اذان، حدیث نمبر: ۱۲، جامع احادیث الشیعہ۔ قاموس الرجال

[5] جواہر الاخبار والآثار المسترجہ من لجۃ البحر الزخار: ۱۹۱،۲۔ امام صادقؑ اور مذاہب اربع: ۲۸۴،۵

[6] سنن بیہقی: ۶۲۵،۱، حدیث نمبر: ۱۹۹۳، دلائل الصدق:۳،قسم ۲، ص۱۰۰، بحوالہ مبادی الفقہ الاسلامی: ۳۸، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ، جواہر الاخبار والآثار: ۱۹۲،۲

[7] دلائل الصدق: ۳، قسم۲، ص۱۰۰، بحوالہ مبادی الفقہ الاسلامی: ۳۸

ب: اسی روایت کو حلبی، ابن حزم اور دوسرے راویوں نے بھی امام علی بن الحسین زین العابدین علیہما السلام سے نقل کیا ہے۔

ج: علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب موذن کی اذان سنتے تھے تو اس کو دہراتے تھے۔ اور جب موذن ''حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علیٰ خیر العمل''کہتا تو آپؐ ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کہتے تھے...الخ[1]۔

د: امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ جب آپؑ ''حی علی الفلاح'' کہتے تھے تو اس کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' ضرور کہتے تھے[2]۔

حضرت محمد باقر علیہ السلام سے مروی احادیث:الف: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کلمہ ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان کا جز تھا۔ عمر بن خطاب نے حکم دیا کہ اس کے کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ جہاد سے رک جائیں اور نماز ہی پر اکتفا کرنے لگیں[3]۔

ب: حضرت ابی جعفر (امام محمد باقر) علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اذان ''حی علیٰ خیر العمل'' کے ساتھ کہی جاتی تھی۔ اور ابوبکر کے زمانہ خلافت اور عمر کی خلافت کے اوائل میں بھی اذان میں یہ فقرہ رائج تھا۔ پھر عمر نے ''حی علیٰ خیر العمل'' کے چھوڑنے اور اذان واقامت سے حذف کرنے کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: جب لوگ یہ سنیں گے کہ نماز ''خیر العمل'' (سب سے بہترین عمل) ہے تو جہاد کی بابت سستی اور اس سے روگردانی کرنے لگیں گے[4]۔

---

[1] دعائم الاسلام: ۱،۱۴۵۔ بحارالانوار: ۸۴،۱۷۹
[2] جواہر الاخبار والآثار ''صعدی'' : ۲،۱۹۲
[3] البحر الزخائر، جواہر الاخبار ولآثار (دونوں کے حاشیہ پر):۲،۱۹۲
[4] دعائم الاسلام: ۱،۱۴۲۔ بحارالانوار: ۸۴، ۱۵۶

اسی طرح کی روایت حضرت جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام سے بھی منقول ہے[1]۔ اور پھر گردش لیل و نہار کے ساتھ ساتھ ''حی علیٰ خیر العمل'' صرف علویین، اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کا شعار بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ حسین بن علی جو ''صاحب فخ'' کے نام سے مشہور ہیں، کے انقلاب کا آغاز ہی اسی طرح ہوا کہ عبد اللہ بن حسین افطس گلدستۂ اذان پر چڑھ گئے جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر کے سرہانے واقع تھا، اور موذن سے کہا کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' کے ساتھ اذان کہو۔ موذن نے جب ان کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تو ایسا ہی کیا۔ اور جب عمری (منصور کی طرف سے مدینہ کا گورنر) نے اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' سنا تو ماحول اپنے خلاف محسوس کیا، وہ دہشت زدہ ہوگیا اور چلایا: ''دروازے بند کرو اور مجھے پانی پلاؤ[2]...''

تنوخی نے ذکر کیا ہے کہ ابوالفرج نے خبر دی ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں لوگوں کو اپنی اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتے ہوئے سنا ہے[3]۔ حلبی کا بیان ہے کہ بعض نے ذکر کیا ہے: آل بویہ کی حکومت میں رافضی حیعلات (حی علی الصلاۃ، و حی علی الفلاح) کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتے تھے۔ جب سلجوقیہ کی حکومت آئی تو انھوں نے موذن سے ''حی علیٰ خیر العمل'' کہنے کو منع کردیا، اور حکم دیا کہ صبح کی اذان میں اس کی جگہ پر دو مرتبہ ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہا جائے یہ ۴۴۸ھ کی بات ہے[4]۔

حی علیٰ خیر العمل'' کے جزء اذان ہونے کے سلسلہ میں علماء کے نظریات

شیعہ علماء اور فقہاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام سے وارد روایتوں پر عمل کرتے ہوئے قائل ہیں کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان و اقامت کا جز ہے اور اس کے بغیر اذان واقامت صحیح نہیں ہے۔ انھیں علماء میں سے شیخ مفیدؒ[5] اور سید مرتضیٰؒ بھی ہیں۔ سید مرتضیٰؒ اپنی کتاب ''الانتصار'' میں یوں رقمطراز ہیں: ''وما انفردت بہ الامامیہ ان تقول فی الاذان والاقامۃ بعد قول ''حی علیٰ الفلاح'' ''حی علیٰ خیر العمل'' والوجہ فی ذٰلک اجماع الفرقۃ المحقۃ علیہ''ترجمہ: ''امامیہ کا دوسرے

---

[1] حوالہ سابق
[2] مقاتل الطالبین:۱۴۴۶
[3] نشوار المحاضرات: ۲،۱۳۳
[4] حوالہ سابق
[5] المقنعہ ،باب فصول الاذان والاقامہ ''شیخ مفید'' (متوفی ۴۲۳ ھ)

فرقوں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ اذان اور اقامت میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرقہ حقہ کا اس پر اجماع ہے۔اس کے بعد سید مرتضیٰؒ فرماتے ہیں: اہل سنت نے یہ روایت کی ہے کہ یہ فقرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے کچھ دنوں بعد تک اذان میں شامل تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ فقرہ ہٹا دیا گیا[۱]۔

(مندرجہ بالا روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اوائل میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کے وجود کے قائل ہیں لیکن بعد میں اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔) اور جو بھی اس کے نسخ کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سلسلہ میں دلیل پیش کرے۔ لیکن ان لوگوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے[۲]۔انھیں علماء میں شیخ طوسیؒ[۳]، قاضی عبد العزیز بن براج، طرابلسیؒ[۴]، ابن ادریس حلیؒ[۵]، علامہ حلیؒ[۶]، محقق اردبیلی[۷]، شیخ یوسف بحرینیؒ[۸] اور شیخ محمد حس۸ن نجفیؒ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

شیخ محمد حسن نجفیؒ فرماتے ہیں: ''وکیف کان، فالاذان علی الاشہر...الخ'' بہرحال ہمارے نزدیک مشہور ترین قول کی بناد پر اذان، فتویٰ ہے۔ اور اگر اس کی دلیل میں کوئی ایسی روایت نہ بھی ہو جو بہت مشہور ہو تب بھی ہم اس پر اجماع کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ''مدارک'' میں آیا ہے کہ ''اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اس میں ہمارا کوئی مخالف نہیں ہے۔''

علامہ حلیؒ نے ''تذکرہ'' اور ''نہایۃ الاحکام'' سے حکایت شدہ قول میں اس کی نسبت ''فقہاء شیعہ'' کی طرف دی ہے۔ اور شہید اول نے ''ذکریٰ'' میں کہا ہے کہ اصحاب اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور مسالک میں ہے کہ شیعہ اور فقہاء شیعہ سب اس سلسلہ میں متحد ہیں۔ بلکہ ''غنیۃ'' کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اذان کی اٹھارہ فصلوں پر اجماع قائم ہے یعنی اس کی فصلیں نہ اٹھارہ

---

[۱] المدونۃ الکبریٰ: ۷۵٫۱، بدایۃ المجتہد: ۱۲۱٫۱

[۲] الانتصارمسئلہ نمبر: ۳۵ ، ''سید مرتضیٰؒ'' (متوفی۴۳۶ھ)

[۳] الخلاف: ۲۷۸٫۱، اور ۲۷۹، کتاب الصلاۃ، مسئلہ نمبر: ۱۹، ۲۰،'' شیخ طوسیؒ''(متوفی۴۶۰ھ)

[۴] المہذب: ۸۸٫۱، باب اذان واقامت، '' قاضی ابن براجؒ ''(متوفی ۴۸۱ھ)

[۵] السرائر: ۲۱۳٫۱، کتاب الصلاۃ،احکام اذان و اقامت، ''ابن ادریس حلیؒ'' (متوفی: ۵۹۸ھ)

[۶] تذکرۃ الفقہاء: ۴۱٫۳: مسئلہ نمبر: ۱۵۶، عدد فصول اذان و اقامت، ''علامہ حلیؒ '' (متوفی: ۷۲۶ھ)

[۷] مجمع الفائدہ والبرہان: ۱۷۰٫۲، کتاب الصلاۃ، کیفیت اذان واقامت،'' محقق اردبیلیؒ''(متوفی: ۹۹۳)

[۸] الحدائق الناضرۃ: ۳۶۲٫۷، فصول اذان اقامت، ''شیخ یوسف بحرینیؒ '' (متوفی: ۱۱۸۶ھ)

سے کم ہیں اور نہ زیادہ ۔ چار مرتبہ تکبر، توحید کی گواہی، پھر رسالت کی گواہی، پھر حی علی الصلاۃ، پھر حی علی الفلاح، پھر حی علیٰ خیر العمل، پھر تکبیر اور اس کے بعد تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) ۔ ان میں سے ہر فصل دو دو بار ۔ بلکہ ''معتبر'' اور ''تذکرہ'' میں اس کے علاوہ ''ناصریات'' سے حکایت کئے گئے قول کی بنیاد پر، نیز بحار اور ''منتہی'' میں اذان کے آخر میں دو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے ۔ اور ''منتہی'' میں اذان کے شروع میں چار مرتبہ تکبیر پر بھی اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے ۔

اقامت کی فصلوں کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان عظیم شہرت یہ ہے، بلکہ ''تذکرہ'' میں شہرت کی نسبت فرقۂ امامیہ، اور منتہی و نہایہ میں اس کی نسبت علماء شیعہ کی طرف دی گئی ہے، ''مہذب'' سے حکایت شدہ قول کے مطابق فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور شہید نے ''ذکریٰ'' میں کہا ہے کہ فقہاء اسی پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں ۔ اور صاحب مسالک نے کہا ہے کہ ایک گروہ اس پر عمل پیرا رہا ہے کہ اقامت کی تمام فصلیں دو دو مرتبہ ہیں ۔

''حی علیٰ خیر العمل'' اور تکبیر کے درمیان دو مرتبہ ''قد قامت الصلاۃ'' کا اضافہ ہے ۔ اور آخر سے ایک مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ساقط ہے ۔ اس طرح اس کی سترہ فصلیں ہو گئیں[1] ۔

''حی علی خیر العمل'' کے اذان سے نکالنے کی وجہ

اب تک کی بحث سے یہ ثابت ہوگیا کہ ''حی علی خیر العمل''، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اذان واقامت کا جز تھا ۔ خلیفہ ثانی نے اپنی خلافت کے دوران لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ خیر عمل، راہ خدا میں جہاد ہے ۔ تاکہ لوگ جہاد کی طرف راغب ہوں اور اپنی پوری کوشش اسی میں صرف کریں ۔ انھوں نے یہ گمان کیا کہ پانچوں وقت، نماز کے خیر عمل ہونے کی صدا ان کے مشن کے منافی ہے ۔ بلکہ انھیں خوف پیدا ہوگیا کہ اگر یہ فقرہ اذان میں باقی رہ گیا تو لوگ جہاد سے روگردانی کریں گے ۔ کیونکہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ نماز خیر عمل (سب سے اچھا عمل) ہے جب کہ اس میں سلامتی و سکون بھی ہے تو حصول ثواب کے لئے

---

[1] جواہر الکلام: ۹، ۸۱، ۸۲، اذان و اقامت کی فصلوں کے بارے میں، ''شیخ محمد حسن نجفیؒ'' (متوفی: ۱۲۶۶ھ)

صرف اسی پر اکتفا کریں گے اور جہاد، جو کہ نماز سے کمتر درجہ رکھتاہے، کا خطرہ مول لینے سے پرہیز کریں گے۔ لہٰذا انھوں نے مقدس،شرعی قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اس (خود ساختہ) مصلحت کو مقدم کرتے ہوئے اس فقرہ کو اذان سے نکال دیا۔ (جیسا کہ قوشجی، جو کہ فرقۂ اشاعرہ کے علماء کلام کے ائمہ میں سے ہیں، نے شرح تجرید کی بحث امامت کے آخر میں وضاحت کی ہے۔) چنانچہ خلفیہ ثانی نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا: تین چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھیں اور میں ان سے منع کرتا ہوں، اور ان کو حرام قرار دیتاہوں۔ اگر کوئی ان کو انجام دے گا تو میں اسے سزا دوں گا ''عورتوں سے متعہ کرنا،حج تمتع انجام دینااور اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کہنا۔

قوشجی نے اس کی اس طرح توجیہ کی ہے کہ اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کی دوسرے سے مخالفت کرنا بدعت نہیں ہے[1]۔
ابن شاذان اہل سنت والجماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں نیز خلافت عمر کے اوائل تک اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہا جاتا تھا۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ ''حی علیٰ خیر العمل''کو سن کر لوگ نماز پر تکیہ کرلیں گے اور جہاد کو چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے اذان سے ''حی علی خیر العمل''کو نکالنے کا حکم دیدیا۔ [2]عکرمہ سے روایت ہے: حضرت عمر نے ''حی علیٰ خیر العمل''کو اذان سے خارج کرنے کا ارادہ اس احتمال کے تحت کیا کہ لوگ نماز پر اکتفا کرتے ہوئے جہاد کو ترک کردیں گے۔

اسی وجہ سے اس کو انھوں نے اذان سے حذف کردیا[3]۔ ''ابن حاجب'' کی کتاب ''مختصر الاصول''کی شرح کے حاشیہ میں سعد الدین تفتا زانی نے ذکر کیا ہے کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھا، حضرت عمر نے لوگوں کو حکم دیا کہ اسے اذان میں نہ کہیں، اس خوف سے کہ کہیں لوگ جہاد سے روگردان ہو کر صرف نماز ہی پر اکتفا نہ کر بیٹھیں۔

---

[1] شرح التجرید ''قوشجی
[2] الایضاح: ۲۰۱،۲۰۲
[3] بحارالانوار: ۸۴،۱۳۰۔ علل الشرائع:۲،۵۶
[4] دلائل الصدق: ۳، قسم۲، ص۱۰۰، بحوالۂ مبادی الفقہ الاسلامی ''عرفی'': ۳۸۔ سیرۃ المصطفیٰ ''سید ہاشم معروف'': ۲۷۴، بحوالۂ الروض النضیر: ۲،۴۲

سلسلہ میں پہلا اشکال تو یہ ہے کہ اگر یہ فقرہ لوگوں کی جہاد سے سستی کا سبب تھا تو اصلاً شروع ہی سے نہیں ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ یہ خطرہ دائمی تھا۔ اور اسی بنیاد پر اہل سنت نے اس کو آج تک چھوڑ رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ قیصر و کسریٰ کی سوپر پاور طاقتوں کے نیست و نابود ہونے کی بشارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ لہٰذا اگر اس جملہ سے کوئی خطرہ تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہونا چاہئے تھا، نہ کہ ان کے بعد کسی کو۔

تیسرے یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں میدان جنگ میں صحابہ کی بلند ہمتی اس گمان کو باطل کردیتی ہے کہ اس سے خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں جنگ کیا کرتے تھے۔ اور ''حی علیٰ خیر العمل'' نے ان کے اندر سستی پیدا نہیں ہونے دی۔ اس کی وضاحت خود قرآن کریم نے فرمائی ہے[1]۔ فرقۂ اشاعرہ میں سے علم کلام کے جانے مانے عالم قوشجی کی یہ توجیہ کہ ''اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کی دوسرے سے مخالفت، بدعت نہیں ہے[2] قطعاً نادرست ہے۔ کیونکہ در حقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرضی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔

بلکہ وحی کے اشاروں پر گفتگو فرماتے تھے (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ* اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحَىٰ[3]) سید شرف الدین اس کلام کی توجیہ میں کہتے ہیں '':اس کلام کی توجیہ یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی نے یہ گمان کیا کہ لوگ جب نماز کے بہترین عمل ہونے کی صدا سنیں گے تو نماز پر اکتفا کرلیں گے اور جہاد کو ترک کردیں گے۔ جیسا کہ خود خلیفۂ ثانی نے بھی اس سلسلہ میں تصریح کی تھی۔ اور قوشجی کا یہ بیان کہ ''اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کی دوسرے سے مخالفت بدعت نہیں ہے'' بالکل نادرست ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں نص فرمائی ہے نا کہ اپنا اجتہاد پیش کیا ہے۔ اور نص کی مخالفت جائز نہیں ہے اس لئے کہ مکلفین کے افعال سے متعلق، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے صادر ہونے والے احکام کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حلال محمدی

---

[1] سورۂ توبہ:۱۱۱، ۱۱۲
[2] شرح تجرید ''قوشجی'' :۴۸۴
[3] سورۂ نجم: ۳، ۴

قیامت تک کے لئے حلال ہے اور حرام محمد ی قیامت تک کے لئے حرام ۔ اور اسی طرح دوسرے تمام احکام قیامت تک کے لئے ثابت ہیں چاہے وہ احکام وضعی [1] ہوں یا تکلیفی ۔ [2] اور اس پر تمام مسلمانوں کا اسی طرح اجماع ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ۔ اور اس کے خلاف کسی نے ایک حرف بھی کہنے کی ہمت نہیں کی ہے ۔ اور قرآن کریم نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے، ارشاد ہوتا ہے: (وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ [3]) ترجمہ: اور جو کچھ بھی رسول تمھیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا [4]) ترجمہ: اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا و رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا ۔ ایک اور جگہ خدا وند عالم کا ارشاد ہے: (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [5]) ترجمہ: پس آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلاف میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہوجائیں ۔ یہ بھی ارشاد ہے: (إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ * ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ * مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ [6]) ترجمہ: بیشک یہ ایک معزز فرشتہ کا بیان ہے ۔ وہ صاحب قوت ہے اور صاحب عرش کی بارگاہ کا مکین ہے ۔ وہ وہاں قابل اطاعت اور پھر امانتدار ہے ۔ پھر یوں ارشاد

[1] جیسے صحت و بطلان،(مترجم)
[2] جیسے وجوب و حرمت (مترجم)
[3] سورۂ حشر: ۷
[4] سورۂ احزاب: ۳۶
[5] سورۂ نساء: ۶۵
[6] سورۂ تکویر: ۱۹تا ۲۱

ہوتا ہے: (اِنَّہ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ * وَمَا ہُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلاً مَا تُؤْمِنُوْن * وَلَا بِقَوْلِ کَاہِنٍ قَلِیْلاً مَا تَذَکَّرُوْن * تَنْزِیْلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ[1]) ترجمہ: یہ ایک محترم فرشتہ کا بیان ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ ہاں تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور کسی کاہن کا کلام نہیں ہے جس پر تم بہت کم غور کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ خدا کا یہ بھی قول ہے: (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْہَوٰی * اِن ہُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی * عَلَّمَہ شَدِیْدُ الْقُوٰی[2]) ترجمہ: اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے۔ اس کا کلام وحی ہے، جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔ اسے نہایت طاقت والے نے تعلیم دی ہے۔

پروردگار کا یہ بھی بیان ہے: (لَا یَأْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِن بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ[3]) ترجمہ: جس کے قریب، سامنے یا پیچھے، کسی بھی طرف سے باطل کا گذر بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ جو بھی ان آیات پر ایمان رکھتا ہے یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے اس کو یہ حق نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ نصوص سے بال برابر بھی روگردانی کرے۔ اور ایسے لوگوں سے خدا کی پناہ جو حد سے گذر جاتے ہیں اور تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں[4]۔

''حی علی خیر العمل'' کے جزء اذان ہونے پر مزید تاکید

زرکشی نے بحر المحیط میں رقم کیا ہے: اس میں اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اور دوسری چیزوں میں۔ ابن عمر جو اہل مدینہ کا سردار تھا، اذان کو جدا جدا کہنے کا قائل تھا اور اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کہتا تھا[5]۔ کتاب سنان کے الفاظ یہ ہیں: ''الصحیح ان الاذان شرع بحی علیٰ خیر العمل'' درست یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں اذان ''حی علیٰ خیر العمل'' کے ساتھ مشروع ہے[6]۔

---

[1] سورۂ حاقہ: ۴۰تا ۴۳
[2] سورۂ نجم: ۳تا ۵
[3] سورۂ فصلت: ۴۲
[4] نص اور اجتہاد، مقدمۂ کتاب
[5] الروض النضیر: ۱،۵۴۲
[6] حوالہ سابق

روض النضیر میں ہے: بہت سے مالکی، حنفی اور شافعی علماء کہتے ہیں کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان کا جز تھا[۱]۔ شوکانی ''کتاب الاحکام'' سے نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں : ہمارے لئے یہ ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان کا جز تھا اور اسی کے ساتھ اذان کہی جاتی تھی۔ اور یہ سلسلہ حضرت عمر کے زمانہ تک جاری رہا انھوں نے اس کو حذف کردیا[۲]۔ گذشتہ گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' کا فقرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر کی خلافت کے دوران اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع میں اذان میں موجود تھا یہاں تک کہ حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اس کو حذف کردیا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس وقت اس فقرہ کو حذف کرنے میں مصلحت تھی تو اب، جب کہ وہ مصلحت باقی نہیں رہی، کس جواز کے تحت اس کو ترک کیا جا رہا ہے !!اور ہم سب، رسول وآل رسول علیہم السلام کی سنت کی طرف کیوں نہیں پلٹ جاتے ؟!

نتیجہ

گذشتہ دلیلوں اور تمام شواہد کے ذریعہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ''حی علیٰ خیر العمل'' اذان و اقامت کا جز تھا۔ اس کی یہ جزئیت خلیفۂ اول اور خلیفۂ دوم کی خلافت کے ابتدائی دور تک بھی رائج رہی۔ پھر خلیفۂ ثانی نے بیجا دلیلوں کا سہارا لیتے ہوئے اس کو حذف کرنے کا حکم دیدیا۔ جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ثبت فرما چکے تھے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

[۱] حوالہ سابق
[۲] نیل الاوطار: ۲،۳۲